مولا اور بندہ کی یکتائی

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

ترجمہ: "ایسا شخص جو کہ پہلے مُردہ تھا ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے
اسکو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے
کیا ایسا شخص اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسکی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں
میں ہے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا؟" (۱۲۲:۶)

مولا اور بندہ کی یکتائی

از

علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائیؒ

شائع کردہ

المعهد للحکمة الروحانية والعلم المنير

www.monoreality.org
www.ismaililiterature.com
www.ismaililiterature.org
global-lectures.com
©2024

ISBN 1-903440-86-6

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

یہ نہایت مختصر رسالہ "مولا اور بندہ کی یکتائی" حضرت علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ صاحب ہونزائی (ق س) کے تین مضامین "تم کون ہو؟"، "انا کی حقیقت" اور "میں کیا ہوں؟ میں کون ہوں؟" کا مجموعہ ہے، جو اختصار کے باوجود اپنے اندر مولا اور بندہ کی معرفت کے اسرار کا گنجِ مخفی رکھتا ہے۔ "مولا اور بندہ کی یکتائی" کی وضاحت کی کئی ایک مثالیں اسلام کے باطنی پہلو سے متعلق کتابوں میں پائی جاتی ہیں، لیکن آنحضرتؐ کی زبانِ معجز بیان سے نبوی اور قدسی دو حدیثوں میں جس نہایت ہی لطیف اور جامع انداز میں اس کی وضاحت ہوئی ہے، وہ معجزہ ہی معجزہ ہے۔ حدیثِ نبوی میں فرماتے ہیں: "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ"[1] (جس نے اپنے آپ کو پہچانا، اس نے اپنے پروردگار کو پہچانا)۔ نیز حدیثِ قدسی میں فرماتے ہیں: "یَا ابْنَ اٰدَمَ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْکَ مِثْلِیْ حَیًّا لَا تَمُوْتُ وَعَزِیْزًا لَا تَذِلُّ وَغَنِیًّا لَا تَفْتَقِرُ"[2] (اے فرزندِ آدم! تو میری اطاعت کر، میں تجھے اپنا جیسا بنا دوں گا، ایسا زندہ کہ تو کبھی نہیں مرے گا، ایسا معزّز کہ تو کبھی ذلیل نہیں ہوگا، اور ایسا بے نیاز کہ تو کبھی محتاج نہیں ہوگا)۔ چونکہ اس رسالے کا مرکزی مضمون "مولا اور بندہ کی یکتائی" یا "بندے کا مولا میں واصل ہونا" ہے، اسی مناسبت سے اس کا عنوان بھی موصوف علّامہ بزرگوار ہی (ق س) کے ایک پُرمعرفت بُرُشسکی شعر کے مصرعِ ثانی سے لیا گیا ہے، جو یہ ہے:

مولا کہ بندہ ہن ہمہ اسرارہ از شیم [3]

ترجمہ: میں "مولا اور بندہ کی یکتائی" کے اَسرار [کو جان کر] مست و سرشار ہوگیا۔

اِن مضامین کا لبِّ لباب یہ ہے کہ جو مومنین و مومنات اخلاص و محبّت کے ساتھ اپنے زمانے کے امامِ برحقؑ کی اطاعت و فرمان برداری کی جملہ شرائط کو کماحقہٗ مکمل کرتے ہیں، تو وہ اپنی "انا" یعنی "انائے علوی"، یا "حقیقت الحقائق"، یا "یک حقیقت (monoreality)" کو پانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں یا ان پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس "حقیقت" کی ان کو تلاش ہے، وہ، وہ خود ہی ہیں اور ان پر ازل و ابد کے تمام عظیم بھید ایک ساتھ کھل جاتے ہیں[4]۔ جیسے آنحضرتؐ کے زمانے میں ایک ایسا مثالی مومن سلمانؓ تھا۔

دینِ حق کی تعلیمات سے کماحقہٗ مستفیض ہونے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جب کوئی عظیم پیغمبر یا ناطق ایک نئی شریعت جو تنزیل و تاویل پر مشتمل ہوتی ہے، لے کر آتا ہے، تو پہلے تنزیل، جو جسمانی مثالوں کی صورت میں ہوتی ہے، کے جسمانی یا ظاہری پہلو پر عمل کرنے پر زور دیا جاتا ہے اور تاویل کا حصّہ نسبتاً کم ہوتا ہے، جس کی وجہ سے حقائق تک رسائی بہت مشکل اور سخت محنت طلب ہوتی ہے، اس لئے بہت ہی تھوڑے باہمّت مومنین و مومنات کو رسائی ممکن ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب تاویل، جو علم کی صورت میں ہے، کا دور آتا ہے تو اُس کے سمجھنے پر زور دیا جاتا ہے۔

دینِ حق میں اِس تدریجی تبدیلی کے لحاظ سے ہر ناطق کے ہزار سالہ دور کو دو پانصد سالہ ذیلی ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شروع کے دور کو دورِ ستر یا دورِ شریعت کہا جاتا ہے اور آخر کے دور کو دورِ کشف یا دورِ قیامت کہا جاتا ہے[5]۔ دورِ ستر یا دورِ شریعت میں حقائق کو تمثیلی پردوں میں چھپایا جاتا ہے، جبکہ دورِ کشف یا دورِ قیامت میں ان حقائق کو تدریجی تاویلات (۷: ۵۳) کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے۔

دینِ حق میں اس دَوری تدریجی تبدیلی کی کیفیت کے بارے میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "اِنَّکُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَکَ مِنْکُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِهٖ هَلَکَ ثُمَّ یَأْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِهٖ نَجَا۔"[۶] (تم لوگ ایک ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی احکام کے دسویں حصّے کو بھی چھوڑ دے تو وہ برباد ہو جائے گا، پھر آئے گا ایک ایسا زمانہ، جس میں اس زمانے کے لوگوں میں سے کوئی احکام کے دسویں حصّے پر بھی عمل کرے تو وہ نجات پائے گا)۔ حضرت مولانا امام سلطان محمّد شاہؑ اس کیفیت کو زیادہ واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "ہمارا دین ایک ایسے شخص کی طرح ہے جس کا ہر دس ۱۰ سال میں فوٹو لیا جاتا ہے۔ ہر بار صورت بدل جاتی ہے، لیکن شخص وہی رہتا ہے۔ نوّے ۹۰ سال [کی عمر میں] وہ ایسا دکھائی نہیں دے گا، جس طرح وہ دس ۱۰ سال کی عمر میں دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح ہمارے دین کا بنیادی اصول وہی رہتا ہے لیکن ظاہری صورت بدلتی رہتی ہے۔"[۷]

اِن ارشادات سے ظاہر ہے کہ دینِ حق یعنی اسلام کوئی ساکن و جامد چیز نہیں بلکہ زمان و مکان کی کسی بھی بدلتی حالت میں ہدایت کرنے والی ایک زندہ حقیقت ہے۔ چنانچہ ذکر ہوا کہ دورِ ستر میں بھی ایسے باہمّت مومنین و مومنات ہوتے ہیں جو دینِ حق کی تلاش میں کسی بھی مشکل سے مشکل رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ سلمان فارسیؓ نے جسمانی طور پر ایک آسودہ حال آزاد خاندان سے ہونے کے باوجود تلاشِ حقیقت کے سلسلے میں غلامی کے ساتھ دوسرے بہت سے امتحانات کو برداشت کیا تھا۔ بالآخر ان کی سعادت مندی سے پیغمبرِ آخرِ زمانؐ اور آپؐ کے اہلِ بیتؑ کی خدمت نصیب ہوئی اور ایسی مثالی خدمت کی کہ پیغمبرؐ اور آپؐ کے اہلِ بیتؑ میں فنا ہو گیا تو آنحضرتؐ نے حضرت ابراہیمؑ کے قول "فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ" (۱۴: ۳۶) (اور جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے) کی طرح فرمایا: "سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ

اَلْبَیْتِ" [8](سلمان ہم اہلِ بیت میں سے ہے)۔ سلمانؓ پیغمبرؐ کے جس گھر میں انکے اہل میں سے ہو گئے تھے وہ پتھر اور مٹی کا بنا نہیں تھا بلکہ وہ "بیت الوحی" [9] تھا، وہ وحی کا گھر تھا جو ایک روحانی اور نورانی حقیقت (۴۲: ۵۲، ۲۶: ۱۹۲-۱۹۵) ہے سلمان فارسیؓ نے اسی نورانی گھر میں خود کو فنا کر کے اپنی "انا" کو پایا اور نورانی بن گئے، جیسا کہ علّامہ بزرگوارؒ فرماتے ہیں:

بیتِ رسول نورے ہاٗ، برچی بمن اہلِ بیت
ہولے نمی کَنعان الیسل اُولو گمی سلمان الیسل [10]

ترجمہ: (ہر رسول خانۂ نور کا درجہ رکھتا ہے، اور جو لوگ فرمانبردار ہوتے ہیں وہ بحقیقت اہلِ بیت کہلاتے ہیں۔ دیکھ کہ اسی گھر سے کنعان (پسرِ نوح) نکل گیا، اور دیکھ کہ اسی گھر میں سلمان فارسیؓ داخل ہو گیا)۔

سلمان فارسیؓ جیسے مومنین امامِ زمانؑ کی نورانی تربیت اور مریدوں کی مخلصانہ اطاعت سے ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام محمّد باقرؑ کے فرمانِ مبارک سے ظاہر ہے: "مَاقِیْلَ فِی اللّٰهِ فَهُوَفِیْنَا وَمَاقِیْلَ فِیْنَا فَهُوَفِی الْبُلَغَاءِ مِنْ شِیْعَتِنَا" [11](جو کچھ خدا کے بارے میں کہا گیا ہے، وہ ہمارے بارے میں ہے اور جو کچھ ہمارے بارے میں ہے، وہ ہمارے شیعوں میں سے جو رسیدہ ہیں، ان کے بارے میں ہے)۔ دعوتِ حق میں حجتانِ کبار کا ارشاد ہے کہ جو رسیدہ مومنین حجّت کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں وہ سلمان فارسیؓ کی طرح آنحضرتؐ کے نورانی گھر میں داخل ہو کر ان کے اہلِ بیت بن جاتے ہیں۔ سیّدنا المؤیّدؒ جو فارس کے حجّت بھی تھے، اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

لَوْکُنْتُ عَاصَرْتُ النَّبِیَّ مُحَمَّدًا
مَاکُنْتُ اُقْصِرُ عَنْ مَدٰی سَلْمَانِهٖ

وَلَقَالَ ''اَنْتَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ'' مُعْلِنًا
قَوْلاً یُکَشِّفُ عَنْ وُضُوْحِ بَیَانِہٖ[۱۲]

ترجمہ: (اگر میں نبی محمدؐ کا ہمعصر ہوتا تو آپؐ کے سلمانؓ کے مرتبے سے میرا مرتبہ کم نہ ہوتا، اور آپؐ علی الاعلان فرماتے کہ ''تو میرے اہلِ بیت سے ہے'' ایک ایسا قول جو آپؐ کے بیان کی وضاحت سے پردہ اُٹھاتا ہے)۔

اسی طرح سیّدنا ناصرِ خسروؒ جو خراسان کے حجّت تھے، فرماتے ہیں:

خویشتن را زاہلِ بیتِ مصطفٰے گردان بدین
دل مکن مشغول اگر با دینی از بی گیسوی
قصّۂ سلمان شنیدستی و قولِ مصطفٰے
کو زاہل البیت چون شد با زبانِ پہلوی[۱۳]

ترجمہ: (اپنے آپ کو دین کے ذریعے مصطفٰیؐ یعنی آنحضرتؐ کے اہلِ بیت سے بناؤ، اگر تمہارے پاس دین ہے تو گیسو یعنی لمبے بال نہ ہونے کی فکر نہ کرو۔ کیا تو نے سلمان فارسیؓ کا قصّہ اور آنحضرتؐ کی حدیث ''سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلِ الْبَیْتِ'' سنی ہے؟ کہ آپ کی زبان پہلوی (یعنی فارسی) ہونے کے باوجود پیغمبرؐ کے اہلِ بیت سے کس طرح ہوا؟)۔

یہاں پر سیّدنا ناصرؒ نہ صرف خود سے مخاطب ہے بلکہ تمام مومنین و مومنات سے بھی مخاطب ہے کہ دین پر کماحقّہٗ عمل کرو اور پیغمبرؐ کے اہلِ بیت میں شامل ہو جاؤ۔

الغرض روحانی ترقّی کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا، ادوار کے حالات کے لحاظ سے دورِ ستر میں اسرار کے فاش کرنے پر پابندیاں سہی، لیکن چونکہ عالمِ خلق اور عالمِ دین کی ہر چیز ایک دائرے میں سفر کرتی ہے، اس لئے جس طرح رات دن بدلتے

رہتے ہیں، موسم بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح آنحضرتؐ کے ہزار سالہ دَور کا پہلا ذیلی پانصد سالہ دَور ختم ہوا، جسکے بارے میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا: "امیدوارم کہ خدا مرا بیش از نیم روز در گور بنگذارد"[14] (مجھے اُمید ہے کہ خدا مجھے آدھا دن سے زیادہ قبر میں نہیں رکھے گا)۔ تاویلی زبان میں آدھا دن سے مراد پانچ سو سال ہیں اور قبر میں نہ رکھنے سے مراد ہے کہ ان کی لائی ہوئی شریعت میں جو اسرار پوشیدہ ہیں وہ پانچ سو سالوں سے زیادہ عرصہ تک پوشیدہ نہیں رہیں گے۔ یعنی دورِ ستر ختم ہوگا اور دورِ قیامت کا آغاز ہوگا۔ قیامت کے اس مبارک دَور کا آغاز حضرت مولانا حسن علیٰ ذکرہِ السّلام کے مبارک جامے میں ہوا۔ آپ کے عہدِ مبارک میں "جشنِ قیامت" منایا گیا۔[15] دورِ قیامت کے اعلان کے بعد دعوت میں جو عملی تبدیلی آئی، اس کی وضاحت میں خواجہ نصیرالدّین طوسیؒ لکھتے ہیں کہ: "دورِ ستر یا شریعت میں طاعتیں مقرّرہ اوقات کی شرط کے ساتھ بجالائی جاتی ہیں اور طاعتیں اوقات میں مستغرق (ڈوبی ہوئی) ہوتی ہیں، اور دَورِ کشف یا قیامت میں طاعتیں بجالانے کیلئے مقرّرہ اوقات کی کوئی شرط یا پابندی نہیں بلکہ اوقات طاعات میں مستغرق ہو جاتے ہیں"۔[16] یہاں پر چونکہ مضمون کا اصل تعلق "مولا اور بندہ کی یکتائی" کی معرفت سے ہے، اسلئے دَورِ قیامت کی برکتوں اور کرامتوں کی تفصیل میں جانا ممکن نہیں، اس لئے سرِ دست اس مضمون کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے اُس دَور کے بزرگانِ دین کی کتابوں سے کیا روشنی حاصل ہوتی ہے، اس پر توجّہ مرکوز کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

چنانچہ پیر شمسؒ جو ہندوپاک کے ایک عظیم حجّت اور پیر ہوئے ہیں، اپنے ایک پُرحکمت گنان "کیسری سنہ سروپ بھلایو"[17] میں انسان عالمِ بالا سے اس دنیا میں آکر کس طرح اپنی حقیقت کو بھول جاتا ہے اور پھر امامِ زمانؑ کی ہدایت ملنے پر جاگ کر اپنی حقیقت کو پہچانتا ہے، کی تمثیل ایک شیر اور اسکے بچے سے دی ہے جو خود کو بکریوں

کی صحبت میں رہنے سے بکری جیسا سمجھنے لگا تھا۔ پھر اس کو شیر سے صحیح علم ملنے پر کس طرح شیر کی طاقت اسمیں آگئی اور خود کو پہچان لیا۔ اسمیں یقیناً یہ تمثیل بھی "مولا اور بندہ کی یکتائی" کی طرح ہے۔

دینِ حق کا دَورِ ششم ہزار سال سے بھی اوپر گیا اور حضرت مولانا امام سلطان محمّد شاہؑ کا پُرسعادت وکرامت وقت آگیا، تو آپ جسمانی لحاظ سے سات سال اور نو مہینے کی نہایت ہی چھوٹی عمر میں تختِ امامت پر جلوہ افروز ہوئے اور گزشتہ دَور کی قیامت کے انجام اور آیندہ دَور کی قیامت کے آغاز کا اعلان فرمایا: "یہ آخر زمانہ ہے۔ اسمیں جو ایماندار ہیں انکو اپنے زمانے کے امام کی قدرت اور کرامات نظر آئیں گے۔ لیکن جو ادھورے دل والے ہیں وہ ظاہری کرامات دیکھیں گے، پھر بھی انکو جھوٹ سمجھیں گے۔ جو لوگ پیغمبر اور امام کی قدرت کو نہیں مانتے، انکی مثال ایک اندھے کی طرح ہے، جس کے نزدیک آئینہ اور ٹھیکری دونوں برابر ہیں"۔[۱۸] امامِ عالی مقامؑ نے اسلام میں تدریجی تاویل (۷:۵۳) کو انتہا تک پہنچاتے ہوئے فرمایا کہ "اسلام کے اساسی اصول (یعنی توحید) کی تعریف صرف monorealism (یک حقیقت) جیسی ہو سکتی ہے نہ کہ monotheism (یک الٰہیت) جیسی"۔[۱۹] امامِ عالی مقامؑ کی اس وضاحت سے مولا اور بندے کے درمیان جو یکتائی کا رشتہ ہے، وہ یقیناً روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے اور حقیقت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

علمِ قیامت کے عظیم علمبردار حضرت علّامہ نصیر الدّین نصیؔر ہونزائیؒ آپ ہی کے کراماتوں اور رحمتوں سے بھرپور دَور میں ہونزہ جیسی علم وحکمت میں پس ماندہ جگہ میں دنیا میں آئے۔ ظاہری وسائل کے فقدان کے باوجود باطنی وسائل سے مالامال فرمایا، اسمِ اعظم سے نوازا، اس میں کامیابی عطا فرمائی، چین کی جماعت کی خدمت نصیب فرمائی، ۱۹۵۱ء میں چین میں ذاتی قیامت کا تجربہ کرایا اور علمِ لدنی کی روحانی

اور عسقلانی دولتِ لازوال عطا فرمایا۔ اسی دولتِ لازوال سے نظم و نثر میں جماعت اور انسانیت کیلئے فیضِ عام جاری ہے۔ مولانا شاہ کریم الحسینی علیہ افضلُ التّحیّۃ والسّلام باطنی فیوض و برکات کے ساتھ ظاہری فیوض و برکات کی بارش بھی برسا رہے ہیں، آپکی شاعری کو گنان کے ٹائٹل سے نوازا۔ نیز مولانا حاضر امامؑ نے ۲۱ رجون ۲۰۰۱ء کی پُر برکت خصوصی ملاقات کے موقع پر فرمایا: "You work with us and we will work with you." (آپ ہمارے ساتھ کام کریں، ہم تمہارے ساتھ کام کریں گے۔)[۲۰]

اور امامِ عالیمقامؑ "نہایت آرزومند تھے کہ ایسے طریقے اور وسیلے پیدا کئے جائیں کہ جن کے ذریعے سے آپ کے علم و فضل سے جماعت وسیع تر پیمانے پر آگاہ ہو جائے ....."[۲۱]

خداوند کی ان رحمتوں اور کرامتوں کیساتھ آپ چین اور پاکستان سے لیکر کینیڈا، ریاستِ ہائے متحدہٗ امریکہ (یو۔ایس۔اے)، یورپ اور جہاں کہیں بھی آپ گئے ہیں، جماعتوں کے دل و دماغ کو منوّر کیا ہے۔ اور جہاں خود نہیں پہنچے ہیں، وہاں آپ کی نظم و نثر پر مبنی کتابوں اور ان کے الگ الگ زبانوں میں ترجموں نے یہ کام کیا ہے۔

حضرت علّامہ بزرگوارؒ اپنے امامِ زمانؑ کی ان بے پایاں رحمتوں اور کرامتوں کی شکرگزاری کے طور پر کہ کس طرح ان کی ایک ہی نظرِ رحمت سے خاک تیرہ زرِّ خالص میں بدل جاتا ہے، اور کن کن کرامتوں و معجزات سے گزرتا ہے، ان میں سے چند ایک کا ان مضامین میں ذکر کیا ہے، تاکہ ان سے راہِ روحانیت پر چلنے والے انکے اپنے عزیز شاگرد رہنمائی حاصل کرسکیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر فرماتے ہیں:

"میں اپنے امامِ عالی مقامؑ کا ایک جیتا جاگتا معجزہ ہوں: علمی معجزہ، عرفانی معجزہ، روحانی معجزہ، نورانی معجزہ اور جسمانی معجزہ بھی، کیونکہ جس گہرائی سے علم کے عجائبات میں پیش کرسکتا ہوں وہ کوئی اور نہیں کرسکتا، معرفت کی جو باتیں میں بیان

کرسکتا ہوں زمانے میں اس کی کوئی مثال نہیں، روحانیت کے جو تجربات میں نے کیئے وہ میرے وقت میں کسی نے نہیں کیئے، نور کو جسطرح میں نے دیکھا کسی نے نہیں دیکھا، اور جسمانیت میں بھی جو عجائبات میرے پاس ہیں وہ کسی کے پاس نہیں"۔

"میں ان تمام فضائل کے باوجود امامِ برحقؑ کا ایک ادنٰی غلام ہوں، اس کی جماعت کا خادم ہوں اور اپنے عزیز شاگردوں کا علمی نوکر ہوں، اور اگر مجھ میں کوئی خوبی ہے تو وہ میرے مولا اور آقا کی جانب سے ہے"۔

آخر میں موصوف بزرگوارؒ اپنے مضامین کے اصلی مقصد کی طرف توجّہ دلاتے ہوئے تاکیداً فرماتے ہیں:

"لیکن خدارا! اس کا مقصد بزرگی اور بڑائی نہیں اور نہ یہ بات عام ہونی چاہیے، میں تو صرف یہی چاہتا ہوں کہ خواص کو خصوصی علم سے دلچسپی ہو اور وہ شکر گزار رہیں کہ اُن پر خداوندِ تعالیٰ کے عظیم اِحسانات ہیں"۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مِنَنِہٖ وَاِحْسَانَاتِہٖ

فقیر حقیر
مرکزِ علم وحکمت، لندن
۸ / جون ۲۰۲۴ء

حواشی

۱۔ سیّدنا المؤیَدفی الدّین الشّیرازی، المجالس المؤیَدیہ، تصحیح حاتم حمیدالدّین (جا ندارد، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ءم)، III، ۹۹

۲۔ ھمان مصنف، (بومبائی، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ءم)، I، ۴۹

۳۔ علّامہ نصیرالدّین نصیؔر ہونزائی، دیوانِ نصیری (کراچی، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۷۵

۴۔ ھمان مصنف، کنزالمعارف (کراچی، ۲۰۱۷ء)، I، ۲۴-۲۵

۵۔ خواجہ نصیرالدّین طوسی، روضۃ التسلیم، تصحیح سیّد جلال حسینی بدخشانی (لندن، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۹۵

۶۔ ترمذی، جامع الترمذی، تصحیح صالح بن عبدالعزیز (ریاض، ۱۹۹۹ء)، ص ۵۲۱

۷۔ **First Anniversary of the Ginan Mandal, Dar es Salaam,Tanganyika 1956. p.C15**

۸۔ الحاکم نیسابوری، المستدرک، تصحیح مصطفیٰ عبدالقادر عطا (بیروت، ۱۹۹۵ءم)، III، ۶۹۱

۹۔ سیّدنا حمیدالدّین کرمانی، کتاب الرّیاض، تصحیح عارف تامر (بیروت، ۱۹۲۰ء)، ص ۱۰۰

۱۰۔ علّامہ نصیرالدّین نصیؔر ہونزائی، بہشتے اَسقُرگ (کراچی، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۲

۱۱۔ سیّدنا جعفر بن منصور الیمن، مخطوطۃ، ورق، ۱۹۰: اس کا ایک زیروکس نسخہ میرے پاس ہے۔

۱۲۔ سیّدنا المؤیَد، دیوان، تصحیح محمّد کامل حسین (قاہرہ، ۱۹۴۹ء)، ص ۲۷۹

۱۳۔ سیّدنا ناصرخسرو، دیوان، تصحیح مجتبیٰ مینوی و مہدی محقق (تہران، ۱۹۹۱ء)، ص ۳۴۶

۱۴۔ دیکھئے: ۵

۱۵۔ علی محمّد جان محمّد چنارا، نورِ مبین حبل اللہ المتین (جا و تاریخ ندارد)، ص ۴۰۰

۱۶۔ خواجہ نصیرالدّین طوسی، روضۃ التسلیم، تصحیح سیّد جلال حسینی بدخشانی (لندن، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۳۵

۱۷۔ پیر شمس، گنان ۷، گنان شریف، (کراچی، ۱۹۹۲ء)، I، ۱۷-۱۸

۱۸ مولانا امام سلطان محمّد شاہ، کلامِ امامِ مبین (گجراتی) (بمبئی، ۱۹۵۰ء)، I، ۲

۱۹ ھمان مصنف، دی میمائرس آف آغاخان (لندن، ۱۹۵۴ء)، ص ۱۷۵

۲۰ تاویل کیلئے دیکھیے: روحانی سائنس اور مادّی سائنس کا سنگم، صص ۵۲-۵۳

۲۱ عظیم علی لاکھانی، علاّمہ نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائی کے عظیم علمی کارنامے (کراچی، ۲۰۱۳ء)، ص ۵

تم کون ہو؟

مجھ سے میرا کوئی عزیز، کوئی اعتماد والا، کوئی محرمِ راز، کوئی سچّا دوست پوچھے تو سہی کہ بتاؤ تم کون ہو؟ میں بتاؤں گا کہ میں اپنے امامِ وقت کا ایک غلام ہوں، ہاں، بالکل صحیح ہے، غلام اور بندۂ فرمانبردار، مگر غلام ہوں تو حقیقت میں سلمان فارسی کی طرح، جو اسرارِ روحانیت اور رموزِ نورانیت سے واقف و آگاہ تھا، جو معرفت کے بھیدوں کو سینے میں لئے ہوئے تھا، جو امامِ عالی مقامؑ کی حکمتوں کو جانتا تھا، جو بظاہر افسردہ اور پژمردہ رہتا تھا، مگر اس کا باطن نورانیت سے معمور اور علم و حکمت سے شادان و مسرور تھا، جو ہمیشہ اہلِ بیتِ اطہار کی مقدّس خدمت سے لطف و لذّت اٹھاتا تھا، جو مُدام الوقت امامؑ کو چاہتا تھا اور امامؑ اُس کو چاہتا تھا، جسکی روح ایقان و عرفان کے ایک بلند مقام پر پہنچ چکی تھی، جس نے اپنے باطن ہی میں امامِ برحق علیہ السّلام کے بے پناہ معجزات کا مشاہدہ کیا تھا، جو اپنے وقت میں علم و حکمت کا ایک ختم نہ ہونے والا خزانہ تھا، بڑا گرانمایہ اور انتہائی مفید خزانہ اور نایاب گنجینہ، وہ خدا و رسولؐ کے نزدیک اہلِ بیتِ کرام علیھم السّلام میں شمار ہؤا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان تمام خوبیوں کے باوجود سلمان فارسی کو روحانی طور پر کتنے لوگ جانتے، پہچانتے تھے؟ بہت ہی تھوڑے لوگ، کیونکہ جب علیؑ کی شناخت لوگوں کیلئے مشکل تھی جو آقا تھے، تو سلمان جیسے غلام کی پہچان کس طرح آسان ہو سکتی تھی۔

میرے عزیزو! آپ مجھے یہ بتائیں کہ ایک عظیم الشّان امام نے، جو دین کے شاہنشاہ تھے، اپنے پیارے شہزادے کا نام سلمان کیوں رکھا تھا؟ میری مراد یہاں "پرنس علی سلمان خان" ہیں۔ کتنی عظیم حکمت پوشیدہ ہے امام کے ہر کام میں! میں نے اپنے عالمِ روحانیت میں سلمان کے بارے میں ایک معجزانہ اور جامع مصرع سُنا تھا، جو "سلمان غریبم قلبِ تُو اللہ مُولانا علی" تھا، جس میں تاویلی حکمتوں کی بہت سی کلیدیں مخفی ہیں، جو نہایت ہی گرانمایہ اور عالی قدر ہیں۔

میرا مالک جانتا ہے کہ میں یہ قیمتی تحریر بہت ہی سویرے نورانی وقت میں کر رہا ہوں، اِس عقیدت سے کہ جو بھی عزیز اِس تحریر کو پڑھے، اس کو کچھ خاص بھیدوں کا پتہ چلے گا، اور وہ زیادہ سے زیادہ علمِ روحانی کا دلدادہ ہوگا۔ میں یہ کوشش سلمان کے مُبارک نام سے کرتا ہوں، کیونکہ مجھے امامِ برحقؑ نے فرمایا تھا کہ تم کو بہت سی روحانی دولت اِسی عظیم درجہ کی معرفت کے وسیلے سے ملے گی۔ میں اُس وقت اِس مُبارک ارشاد کا مطلب کماحقّہٗ نہیں سمجھتا تھا، لیکن اِس کی تاویل بعد میں رفتہ رفتہ آگئی۔

اِس موقع پر حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی حاضِر امام صلوات اللہ علیہ کو عقیدۂ راسخ اور حقیقی محبت سے یاد کرنا چاہیے، تاکہ حق و حقیقت واضح ہو جائے، کہ کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہو رہی ہے، بلکہ یہ بات اُسی ارشاد کی روشنی میں ہے جو حضرت مولانا امام سلطان محمّد شاہ علیہ السّلام نے فرمایا تھا، اور یہ وہی حقیقت ہے جو نور مولانا شاہ کریم حاضر امام کے علم میں ہے۔

بات دراصل سلمان کے بارے میں تھی، اور اس کی ابتداء میں سوال تھا کہ تم کون ہو؟ تو جواب ہے کہ میں خود بھی ہوں، وہ بھی ہوں اور تُو بھی ہوں، اس کے معنی یہ ہوئے کہ میں سب کچھ ہوں، اب "میں خود ہوں" میں کوئی سوال نہیں، لیکن

"وہ بھی ہوں"، "تُو بھی ہوں" اور "سب کچھ ہوں" میں ضرور سوال ہے، کہ کس طرح یہ سب متضاد باتیں ایک ساتھ حقیقت ہو سکتی ہیں؟ ہم اِن شاء اللہ تعالیٰ بڑی آسانی سے یہ راز اپنے عزیزوں کیلئے کھول دیتے ہیں، کہ انسانی روح اپنے مرتبۂ اعلیٰ پر ایک لحاظ سے ایک جامع الجوامع حقیقت ہے، اور دوسرے لحاظ سے یہ بسیط ہے یعنی پوری کائنات و موجودات پر حاوی ہے۔ اور اگر کوئی آدمی اپنی روح کو پہچان لیتا ہے تو وہ حقیقتوں کی وحدت کی روشنی میں یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ سب کچھ ہے، جسمیں خود بھی آتا ہے، تُو بھی اور وہ بھی۔ چنانچہ "وہ ہوں" کے معنی ہیں کہ میں سلمان فارسی ہوں، "تُو ہوں" کا مطلب ہے کہ آپ میں "ہو رہے ہیں اِس لئے "میں آپ ہوں"، "سب کچھ ہوں" کی تاویل ہے کہ میں وہ سلمان ہوں جو عرب میں تھا اور وہ یہ سلمان تھا جو امام کے گھر میں پیدا ہوًا۔ پس میں اُس سلمان کے ذریعے سے اِس دَور کے سلمان میں آگیا اور سب کچھ ہو گیا، کیونکہ یہ سلمان سب کچھ تھا اور ہے۔

"علی سلمان" کے اِس مبارک نام کو دیکھئے تو سہی کہ کس طرح اس میں آقائی اور غلامی دونوں ایک ہو گئی ہیں، جیسے لفظ علی آقا کو ظاہر کرتا ہے اور لفظ سلمان غلام کو۔ کیا حضرت امام سلطان محمّد شاہ صلوات اللہ علیہ نے اپنے شہزادے کے اِس پُرحکمت نام سے یہ ظاہر نہیں کیا کہ مولا و آقا اپنے غلام کو چاہتا ہے یا آقا ایک طرح سے غلام بن چُکا ہے اور غلام آقا ہو گیا ہے یا یہ کہ دونوں ایک ہو گئے ہیں؟ کتنی رحمت ہے اِس عظیم نام میں اور کتنی بنیادی تاویلیں اسمیں سمو گئی ہیں!

کیا اِس راز دانی میں شرابِ جنّت کی سی کیفیت و خوشی نہیں ہے؟ کیا یہ باتیں گرانقدر موتیوں کی طرح نہیں ہو سکتیں؟ کیا ایسی حکمتوں کی تعلیمات سے روح طاقتور نہیں بن سکتی؟ کیا اِن بھیدوں میں روحانیت کی روشنی نہیں ہے؟ کیا یہ اسرار امام کے مخفی خزانے کے نہیں؟ کیا یہ کلِمات کسی کتاب سے ماخوذ ہیں؟ کیا یہ اِس

حقیقت کی ایک روشن دلیل نہیں کہ میں زمانے کا سلمان فارسی ہوں؟ لیکن خدارا! اس کا مقصد بزرگی اور بڑائی نہیں اور نہ یہ بات عام ہونی چاہیے، میں تو صرف یہی چاہتا ہوں کہ خواص کو خصوصی علم سے دلچسپی ہو اور وہ شکرگزار رہیں کہ اُن پر خداوندِ تعالیٰ کے عظیم اِحسانات ہیں۔

۱۲ر مئی، ۱۹۷۶ء

حقیقتِ "اَنا"

میں اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ میں کون ہوں یا کیا ہوں؟ جسم ہوں یا روح ہوں یا عقل ہوں؟ یا تینوں ہوں؟ اگر میں جسم ہوں تو کون سا جسم؟ کثیف ہوں یا لطیف؟ یا دونوں رکھتا ہوں؟ اگر روح ہوں تو کون سی روح؟ نامیّہ؟ حسّیّہ؟ ناطقہ؟ قدسیّہ؟ کلّیّہ؟ اگر عقل ہوں تو کونسی عقل؟ عقلِ جزوی؟ عقلِ کلّی؟ عقلِ اوّل یا عقلِ ثانی؟ بتائیے کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟ میں کب سے ہوں اور کب تک رہوں گا؟ کہاں کہاں ہوں اور کہاں کہاں جاسکوں گا؟ میں اپنے لئے ہوں یا کسی اور کیلئے؟ کیسے ہوں؟ کتنا ہوں؟ کیوں ہوں؟ میں یہاں کیسے آیا؟ کیوں آیا؟ کب آیا؟ کہاں سے آیا؟ کس نے بھیجا؟ کیوں کر بھیجا؟

کیا میں ظاہر و باطن میں ایک اکیلا ہوں؟ یا لاتعداد اور بے شمار ہوں؟ یا دونوں ہوں؟ کیا میں معنی ہوں؟ یا صورت ہوں؟ علّت ہوں یا معلول ہوں؟ جوہر ہوں یا عرض ہوں؟ کیا میں فرشتہ ہوں یا بشر ہوں؟ یا دونوں ہوں؟ کیا میں بسیط ہوں یا مرکّب ہوں؟ کیا میں لامکانی ہوں یا مکانی ہوں؟ میں ازل میں کہاں تھا اور ابد میں کہاں ہوں گا؟ کیا میں نے کبھی عرش دیکھا ہے؟ کیا میں اب بھی لوح و قلم کے وجود میں ہوں؟ اگر ہوں تو کس طرح؟ کیا میری کوئی ہستی اب بھی بہشت میں موجود ہے؟ وہ کس طرح؟ دوزخ کہاں ہے؟

کیا میں حضرت نوح علیہ السّلام کی کشتی میں سوار ہوا تھا؟ اگر سوار ہوا تھا تو کس طرح؟ کیا میں نے کسی حیثیت میں حضرت آدم علیہ السّلام کو دیکھا ہے؟ اگر دیکھا ہے تو کب اور کس طرح؟ اُن کو فرشتوں نے کیسے سجدہ کیا؟ مجھ میں ایسی کون سی چیز ہے جو بے مثال ہے؟ جو ایک اعتبار سے مجھ میں ہے اور دوسرے اعتبار سے وہ مجھ میں نہیں، بلکہ وہ مکان و لامکان سے بھی ماوراء ہے؟

اگر مانا جائے کہ ہم خدا کی ہستی سے جدا ہوکر آئے ہیں تو اُس صورت میں نورِ خداوندی میں اتنی کمی واقع ہوئی ہوگی جتنا کہ ہم ہیں اور اُس کی صفات میں ذرّہ بھر خلا رہا ہوگا، اگر یہ بات اس طرح سے نہیں تو بتایئے کہ کس طرح یہ واقعہ ہوا؟ اگر ہم خداوندِ تعالیٰ کے ساتھ مل کر ایک تھے تو کس طاقت نے ہم کو اُس سے الگ اور دُور کر دیا؟ اور کس گناہ کی سزا میں ہم خدا سے جدا ہوگئے؟ اگر یہ جدائی کسی مصلحت کی بنیاد پر ہے تو وہ کیا مصلحت ہے؟ اور وہاں پروردگارِ عالم کے مبارک نور میں کس نعمت کی کمی تھی؟ کیا خداوندِ تعالیٰ کا وصل یا اُس کی نزدیکی حقیقی بہشت نہیں تھی؟ اور اگر وہ بہشت تھی، تو کیا اس میں تمام نعمتیں موجود نہیں تھیں؟ پھر کس نعمت کی تلاش میں ہم اس دنیا میں آگئے؟

ہماری خودی کیا چیز ہے؟ ہماری انا (EGO) کی حقیقت کیا ہے؟ کیا انا شعور کا نام ہے؟ کیا انا علم و معرفت کو کہتے ہیں؟ کیا انا سے انسان کی ذات مراد ہے؟ انا کی حقیقت کس طرح سمجھ میں آسکتی ہے؟ کیا خودی اور انا کے درمیان کوئی فرق ہے؟ یا یہ ایک ہی حقیقت ہے؟ کیا ہم نورِ خداوندی کا عکس یعنی پَرتو ہیں؟ کیا ہم اصل مقام سے اس دنیا میں کسی چیز کے سایے کی طرح آئے ہیں؟ یا سورج کی روشنی کی طرح آئے ہیں؟ یا بادلوں سے بارش کے قطرے کی طرح آئے ہیں؟ وحدت کیا ہے؟ اور کس طرح ہے؟ اور کثرت کس طرح پیدا ہوئی اور کہاں سے پیدا ہوئی

اور وحدتِ کثرت نُما کیا ہے؟

اب میں اپنے مذکورہ سوالات کا خود ہی جواب دیتا ہوں، کہ میں "انا" ہوں جو ایک بے مثال حقیقت ہے، جس کا قرآنِ حکیم کی بہت سی آیتوں میں ذکر آیا ہے، اور یہ حقیقت انتہائی بلندی پر ہے۔ میں اس معنیٰ میں اپنے آپ کا طالب بھی ہوں اور مطلوب بھی۔ اپنی اس بلند ترین حقیقت کا عاشق بھی ہوں اور معشوق بھی، میں جسم بھی ہوں، روح بھی اور عقل بھی۔ میرا یہ جسم کثیف ہے اور دوسرا جسم لطیف، اس لئے میرے دو جسم ہیں۔ نامیّہ، حسیّہ، ناطقہ، قدسیّہ اور کلیّہ یہ میرے روحانی درجات ہیں یعنی یہ میری انا کے روحانی مقامات ہیں، کیونکہ اس انا میں ہر قسم کی قابلیت موجود ہے کہ وہ جن جن چیزوں کو چاہے قبول بھی کر سکتی ہے اور بوقتِ مصلحت ان کو چھوڑ بھی سکتی ہے، عقلِ جزوی، عقلِ کلّی، عقلِ اوّل اور عقلِ ثانی یہ سب میری انا کے عقلی درجات ہیں۔

میں اپنی اس اونچی حقیقت کے اعتبار سے جس کو میں نے یہاں "انا" کے نام سے یاد کیا ہے، ہمیشہ سے ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ میں ایک مقام پر بھی ہوں اور ہر جگہ بھی ہوں۔ چونکہ میں مکان بھی ہوں اور لامکان بھی، اسلئے اگرچہ مجازاً آنے جانے کی بات ہو سکتی ہے لیکن حقیقۃً اس کا سوال نہیں ہو سکتا۔ میں نہ صرف اپنے ہی لئے ہوں بلکہ دوسروں کیلئے بھی ہوں۔ کائنات و موجودات میری ہستی کی تفسیر و تشریح ہے، جس کا اشارہ "اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ" (۹۵: ۴) میں موجود ہے اور کتنا ہوں اُس کا بیان بھی قرآنِ مقدّس (۲: ۱۳۳) میں فرمایا گیا ہے۔ میں اسلئے ہوں کہ نہ صرف ایک مقصد ہوں بلکہ جملہ مقاصد ہوں۔ میں حقیقت میں کہیں سے آیا نہیں بلکہ کون و مکان میں ہمیشہ سے ہوں، کیونکہ مکان و لامکان میری "انا" کے تحت ہیں۔

جب میں اپنی انا کی تجریدی کیفیت کا تصوّر کرتا ہوں، تو میں "ایک" نظر آتا ہوں،

اور جس وقت انا کے تعلقِ جسمانی کی کثرت پر نظر ڈالتا ہوں، تو خود کو "لاتعداد اور بیشمار" پاتا ہوں، میں معنی بھی ہوں اور صورت بھی، میں علّت بھی ہوں اور معلول بھی، جوہر بھی ہوں اور عرض بھی، میں بیک وقت فرشتہ بھی ہوں اور بشر بھی، میں بسیط بھی ہوں اور مرکّب بھی۔

میں جسم کے اعتبار سے مکانی ہوں، روح اور عقل کے لحاظ سے لامکانی ہوں اور "انا" کی نسبت سے ان تمام چیزوں سے بالا و برتر ہوں۔ میں ازل میں خدا کی صفات میں تھا، اب بھی ہوں اور ابد میں بھی ہوں گا، یہ میری "انا" کا سب سے اُونچا مقام ہے، جس کا ذکر قرآن (۶ : ۹۴) میں موجود ہے۔ میں نے کہا کہ میری انا خداوند تعالیٰ کے نور میں اب بھی ہے، تو عرش و کرسی اس حقیقتِ حال سے الگ نہیں۔ نیز میں نے کہا تھا کہ "میں جس وقت اپنی "انا" کے تعلقِ جسمانی کی کثرت پر نظر ڈالتا ہوں تو خود کو لاتعداد اور بے شمار پاتا ہوں" جس کے معنی یہ ہیں کہ میں بیک وقت عالمِ ناسوت، عالمِ ملکوت، عالمِ جبروت اور عالمِ لاہوت میں موجود ہوں۔ پھر ظاہر ہے کہ دوسرے درجات کے علاوہ لوح و قلم میں بھی موجود ہوں، اور یہ اس لئے بھی کہ قلم و لوح میں جو نورانی، عقلی اور روحانی چیزیں ازل میں تھیں، وہ اب بھی اپنی حالت پر موجود ہیں، کیونکہ کوئی چیز وہاں سے الگ ہو کر دنیا میں نہیں آسکتی، مگر اس کا سایہ آتا ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ یہاں کی چیزوں کے ساتھ عالمِ علوی کی چیزوں کا تعلق قائم ہوتا ہے، اسی لئے تمام انسانیت کی ترجمانی کرتے ہوئے یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ میری زندہ تصویر یعنی میری روحانیت کا مستقل پہلو بہشت میں ہمیشہ سے موجود ہے۔ مگر دوزخ کا تصوّر بہشت سے مختلف ہے، کیونکہ وہ بجائے خود مقصود نہیں اس لئے وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے عارضی ہے اور وہ اُس جگہ ہے جہاں جہالت و نافرمانی ہوتی ہے۔

ہاں، میں ذرۂ جسمِ لطیف کی صورت میں جناب نوح علیہ السّلام کی کشتی میں حاضر تھا، جس کا ذکر قرآنِ مجید (۳۶ : ۴۱) میں فرمایا گیا ہے۔ مجھے وہ تفصیلی واقعہ تو یاد نہیں، مگر اس دفعہ کی زندگی میں میرے روحانی تجربات کے سلسلے میں کشتی کی بہت سی نورانی مثالیں دکھائی گئیں۔ اسی طرح میں آدم علیہ السّلام کیساتھ بھی تھا، جسکا قصّہ قرآنِ کریم (۷ : ۱۱) میں ہے اور اس سے یوں لگتا ہے کہ میں دوسری بہت سی روحوں کیساتھ فرشتوں کے اس سجدے میں حضرت آدمؑ کی جانب تھا، تاہم اس واقعہ کا اِعادہ میری ذاتی روحانیت میں ہوا۔ فرشتوں کا یہ سجدہ دراصل اطاعت و فرمانبرداری کی صورت میں تھا۔ مجھ میں جو سب سے اعلیٰ، سب سے نرالی اور بے مثال چیز ہے، وہ میری انا ہے، کہ وہ درحقیقت خدا کی صفات میں ہے، اور مجازاً مجھ میں ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے، کہ میری انا مکان و لامکان سے ماوراء ہے۔

ہم خداوند تعالیٰ کے نور سے ایک اعتبار سے دنیا میں آئے ہیں، اور دوسرے اعتبار سے نہیں آئے ہیں، یعنی ہم عالمِ بالا سے مجازاً تو آگئے ہیں، مگر حقیقتاً نہیں آئے ہیں۔ لہٰذا یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ نور میں کوئی کمی ہوئی یا نہیں اور یہ سوال بھی نہیں کہ وہاں ہمیں کیا کمی تھی، کہ ہم یہاں آگئے۔ یہ اور دوسرے تمام اس قسم کے سوالات ختم ہوگئے، جبکہ ہم نے تحقیق کی کہ ہم اپنی اصلی انا کے اعتبار سے نورِ الٰہی سے جدا ہو کر دنیا میں نہیں آئے ہیں، بلکہ اُس اعلیٰ ترین مقام پر ہوتے ہوئے دنیا میں ایک انسانی جسم کے ساتھ ہمارا تعلّق اور رابطہ قائم ہوا ہے، جس طرح کہ سورج کا سرچشمہ آسمان کی بلندی کو چھوڑ کر آئینے میں نزول تو نہیں کرتا بلکہ صرف آئینے کی سطح پر اُس کی شعاعوں کا تعلق پیدا ہوتا ہے، جس کے نتیجے پر آئینے میں سورج نظر آتا ہے۔ دراصل آئینے میں سورج کہاں ہے، یہ تو اُس کا عکس اور پَرتو ہی ہے، لیکن ہم مجازاً کہہ سکتے ہیں کہ آئینے میں سورج ہے، مگر حقیقت میں نہیں۔

ہم اپنی اُس عظیم الشّان انا کی نسبت سے جو عالمِ علوی میں ہے خدا تعالیٰ سے جدا نہیں ہوئے، لیکن کیا یہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمت نہیں کہ ہماری حقیقی بقاء تو جنّت میں ہو اور صرف اس کا سایہ ہی میدانِ عمل میں اترے جو یہی دنیا ہے، تاکہ اللہ پاک کی لاانتہا نعمتوں کا سلسلہ جاری رہے، اور عقل و روح کی لذّتوں کی تجدید ہو، کیونکہ ہماری جو سب سے اونچی انا ہے، وہ تو غنی اور بے نیاز ہے ہی، مگر اس کے سایہ یا عکس سے دنیا میں جو جو بقائیں پیدا ہوتی ہیں، ان کیلئے میدانِ عمل کی ضرورت ہے اور وہ یہ دنیا ہے۔ اس لئے کہنا چاہیے، کہ ہم مجازی طور پر اس دنیا میں آگئے ہیں تاکہ علم و عمل کے ذریعے سے خدا کی خوشنودی حاصل کر کے عالمِ روحانی سے رابطہ پیدا کریں اور وہ بھی نور ہی کی روشنی میں، یعنی اس دنیا میں اگر ہم مجازی طور پر آئے ہیں تو اس صورت میں بھی ہم نور کے بغیر نہیں آئے، یہاں بھی تو ہمیں نور ہی کی ہدایت حاصل ہے۔ لہٰذا ہم نور سے جدا نہ وہاں ہیں اور نہ یہاں۔ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، تو ہم اسکے نور کے احاطے سے کس طرح خارج ہو سکتے ہیں، مگر یہ بات الگ ہے کہ ہم کو اپنی کوتاہیوں کے سبب سے اس دنیا میں نور کا احساس نہ ہو۔

ہماری خودی، جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں، ایک بے مثال اور لازوال حقیقت ہے، جس کا اصل مقام اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہے، وہ وہاں ہمیشہ سے موجود ہے، کیونکہ وہ عالمِ امر ہے عالمِ خلق نہیں، اور جو چیز عالمِ امر میں ہو، وہ قدیم اور ازلی ہوتی ہے۔

جی ہاں، انا شُعور ہے، وہ علم و معرفت ہے، وہ یقیناً ذاتِ انسانی ہے، انا کی حقیقت قرآن میں ہے، خودی اور انا ایک ہی حقیقت ہے، ہم کسی شک کے بغیر کہہ سکتے ہیں کہ ہم نورِ خداوندی کا سایہ ہیں، ہاں، ہم اصل مقام سے اس دنیا

میں سائے کی طرح آئے ہیں، اور سورج کی روشنی کی طرح آئے ہیں۔

وحدت اللہ تعالیٰ کی یکتائی کو کہتے، ہیں جسکی تشریح و تاویل حقیقت الحقائق ہے اور یک حقیقت (Monoreality) ہے اور انسانی انا بھی اسی آخری حقیقت میں ہے۔ اور یہ کثرت بھی دراصل کثرت نہیں بلکہ وحدتِ کثرت نُما ہے، کیونکہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی معنوی تفسیر یہ ہے کہ وحدت سے تحقیقت کثرت پیدا نہیں ہوتی، مگر مجازًا، اسکے معنی یہ ہیں کہ وحدت سے وحدت ہی پیدا ہوتی ہے، پھر وحدت کیساتھ وحدت ایک ہو جاتی ہے، جیسا کہ قرآنی ارشاد ہے :- "مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ" (۳۱ : ۲۸) تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا۔ یہ نفوسِ خلائق کی وحدت کی ایک مثال ہے، کہ تمام بنی نوع انسان کی روحیں کس طرح ایک کامل شخص میں ایک ہو جاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ "یک حقیقت" کے اعلیٰ مقام پر سب روحوں کی حقیقتیں ایک ہیں اور اس درجے کا نام خدا کا نور ہے اور انسانی انا کا آخری مقام بھی یہی ہے، جہاں پر ہماری حقیقی زندگی کا دائمی اور ابدی مرکز موجود ہے جس کو "انائے علوی" کہنا چاہیئے۔

ا ر جنوری، ۱۹۷۷ء

میں کیا ہوں؟ میں کون ہوں؟

میں اپنے امامِ عالی مقام کا ایک جیتا جاگتا معجزہ ہوں: علمی معجزہ، عرفانی معجزہ، روحانی معجزہ، نورانی معجزہ اور جسمانی معجزہ بھی، کیونکہ جس گہرائی سے علم کے عجائبات میں پیش کرسکتا ہوں وہ کوئی اور نہیں کرسکتا، معرفت کی جو باتیں میں بیان کرسکتا ہوں زمانے میں اس کی کوئی مثال نہیں، روحانیت کے جو تجربات میں نے کئے وہ میرے وقت میں کسی نے نہیں کئے، نور کو جسطرح میں نے دیکھا کسی نے نہیں دیکھا، اور جسمانیت میں بھی جو عجائبات میرے پاس ہیں وہ کسی کے پاس نہیں۔

میں علمُ الیقین کا آموزگار ہوں اور عینُ الیقین کا تجربہ کار، میں نے اسمِ اعظم کی روشنی میں قرآن کی زندہ روحانیت کا مشاہدہ کیا اور کئی برس تک اُسی عالم میں رہا، مجھے زندہ حکمت کی تعلیم دی گئی، میں نے حیات و کائنات کے بھیدوں کو حاصل کیا، مجھ پر روحانیت کی عظیم قیامت گزری اور اس میں، میں نے دنیا بھر کے لوگوں کی نمائندگی کی، مجھ سے فرشتوں اور ہر طرح کی روحوں نے گفتگو کی، میں نے جانوروں اور بے جان چیزوں کی بولی سُنی، مجھے نورِ امامت سے باطنی اور روحانی طور پر ہم کلامی کا شرف حاصل ہوًا۔

میرے لئے امامِ برحقؑ نے ذاتی طور پر علمِ لدُنّی کے خزانے کھول دئے۔

مجھ پر فضل وکرم کی بارش برسائی گئی، مجھ پر حقیقت و معرفت کے اسرار منکشف ہوئے۔ میں نے اپنی روح کو پہچان لیا اور اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔ میں نے روحانیت کی جنّت کا مشاہدہ کیا، میں نے امام کے روحانی لشکر کو دیکھا اور نادیدنی طاقتوں کا یقینِ کامل حاصل کیا۔ مجھے تجربے کے طور پر روحانی غذائیں کھلائی گئیں، مجھے بہشت کی خوشبوئیں سونگھائی گئیں۔ میں نے روحوں کو ذرّات پر سوار دیکھا، میں نے جسمِ لطیف سے ملاقات کی۔

میں امام کے تازہ ترین علم کا خزانہ ہوں، میں ایک لاجواب کتاب ہوں، میں ایک صاف و شفاف پانی کا چشمہ ہوں، میں شہد کی مکھی ہوں، مجھے روحانی شہد بنانا آتا ہے، میں ایک عجیب پہاڑ ہوں جسکے اندر مختلف جواہر کی کانیں ہیں، میں امام کی طرف جانے کا ایک نزدیک ترین راستہ ہوں، میں اسی مقصد کا ایک پُل ہوں۔

میں قیامت کی نشانی اور حضرتِ قائم کی علامت ہوں، میں علمی انقلابؑ ہوں، میں محبّت اور عشق ہوں، میں شرابِ الفت اور ساقیؑ ہوں، میں باغ و گلشن ہوں۔

میں اپنے روحانی عزیزوں کے عروج کیلئے ایک سیڑھی ہوں، میں حکمت کی کمند ہوں، میں بحرِ علم کا غوّاص ہوں، میں اپنوں کیلئے امام کا انعام واکرام ہوں، ان کی روحانیت کا اُستاد ہوں، میں اپنے عزیز شاگردوں کی علمی ماں ہوں، بہت ہی مہربان اور بڑی شفقت والی، میرا دودھ علم ہی کا ہے جو بہت ہی شیرین اور پاک ہے اور اس میں عقل و روح کیلئے بہترین غذائیت ہے۔

میں عمدہ قسم کے گلاب کا جھاڑ ہوں، میرے پھولوں کی خوشبو بہت دور و دراز ممالک میں پھیلنے والی ہے، جس میں دل و دماغ کیلئے بے حد تروتازگی ہے۔ میں ہرا بھرا ایک میوہ دار درخت ہوں، میرے پھل بہت ہی میٹھے اور نہایت ہی لذیذ

ہیں۔

میں روحانیت کی ایک عالی شان دنیا ہوں، مجھ میں سب کچھ ہے، مجھ میں وہ سب لوگ موجود ہیں جن کو میں بہت ہی عزیز رکھتا ہوں، جن کو میں بے حد چاہتا ہوں، اور مجھ میں وہ لوگ بھی ہیں جن کو میں بہت کم چاہتا ہوں یا نہیں چاہتا ہوں، کیونکہ میرا دل آئینۂ موجودات ہے، جسمیں ہر چیز نظر آتی ہے۔

میں دنیائے علم و حکمت میں امامِ اقدس واطہر کا خصوصی نمائندہ ہوں، امامِ برحقؑ کے علمی معجزات میرے ساتھ ہیں، مجھے اس کی ہدایت و تائیداور دستگیری حاصل ہے۔ میں اسکی محبّت کی شراب سے سرشار ہوں، اس کے مقدّس عشق میں جو کچھ میں نے دیکھا وہ کسی نے نہیں دیکھا۔

میں امام کی آزمائش ہوں، امتحان ہوں، معیار اور کسوٹی ہوں، پرکھ اور تجربہ ہوں، اس کا پردہ اور حجاب ہوں، دروازہ اور راستہ ہوں، قفل اور کلید ہوں، میں اس کا زندہ بنگلہ اور خزانہ ہوں، میں اس کی معرفت کی بولتی کتاب ہوں، میں اس کا ایک عظیم بھید ہوں۔

میں ان تمام فضائل کے باوجود امامِ برحقؑ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں، اس کی جماعت کا خادم ہوں اور اپنے عزیز شاگردوں کا علمی نوکر ہوں، اور اگر مجھ میں کوئی خوبی ہے تو وہ میرے مولا اور آقا کی جانب سے ہے۔

۱۶ر مارچ ۱۹۷۷ء

آپ اپنے زمانے کے اعجوبۂ روزگار ہستی تھے، آپ نے کسی تعلیمی ادارے سے حصولِ تعلیم کے بغیر روحانی ریاضت کی برکت سے قرآنی تأویل اور حکمت پر نظم و نثر میں ایک سو سے زیادہ کتابیں تحریر کیں، آپ چار زبانوں بُرشسکی، اردو، فارسی اور تُرکی کے قادر الکلام شاعر ہیں، آپ اپنی مادری زبان بُرشسکی کے اوّلین شاعر اور صاحبِ دیوان ہیں، آپ نے قرآنی حکمت کی روشنی میں "روحانی سائنس" کا انکشاف کیا ہے، جس کی بڑے پیمانے پر پذیرائی ہو رہی ہے، اس منفرد تحقیقی خدمت کے اعتراف میں حکومتِ پاکستان نے آپ کو ستارۂ امتیاز کے اعزاز سے نوازا ہے، بُرشسکی زبان کی ترقی اور قوم کی سماجی زندگی میں اصلاح کیلئے آپ کی کوششیں مُنفرد ہونے کے باعث آپ بابائے بُرشسکی، حکیم القلم اور لسان القوم کے القاب سے مشہور رہیں۔ آپکی گرانمایہ تخلیقات کے چند نمونے یہ ہیں، میزانُ الحقائق، عملی تصوّف اور روحانی سائنس، رُوح کیا ہے؟، کتابُ العلاج، قرآنِ حکیم اور عالمِ انسانیّت، اور آپکے جمع کردہ مواد پر مشتمل اوّلین بُرشسکی-اُردو لُغت جو آپ کی رہنمائی میں مرتّب ہو کر کراچی یونیورسٹی سے شائع ہوگئی ہے، اسکے علاوہ آپ بُرشسکی-جرمن ڈکشنری اور ہونزہ پروربز (HUNZA PROVERBS) کی تدوین میں بالترتیب ہائیڈل برگ یونیورسٹی کے پروفیسر برگر اور یونیورسٹی آف مانٹریال کے پروفیسر ٹیفو کے بھی ہمکار مصنف (CO-AUTHOR) رہے ہیں۔

ISWLS
9 781903 440865